© rasailojaraid.com

خلافتِ ارض اور علماء کی ذمہ داریاں

عصرِ جدید کا ایک اہم تجدیدی کام اور اس کی نوعیت

از مولوی شہاب الدین صاحب ندوی، ناظم فرقانیہ اکیڈمی، بنگلور ۵۷

کتاب حکمت کے جلوے :

قرآن حکیم کے مذکورہ بالا تمام بیانات اگرچہ بالکل واضح ہیں اور لفظی و معنوی اعتبار سے ان میں کوئی تعقید یا پیچیدگی نہیں ہے مگر ان کا ایک خاص طرز و اسلوب اور ایک خاص موقع و محل ہے، جس کو ملحوظ نہ رکھنے کے باعث اکثر دیشتر ان کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ شرعی آیات و احکام کے برعکس تکوینی (نیچرل) امور کا بیان زیادہ تر اشاروں کنایوں کی زبان میں ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شرعی امور میں تو ہر دور میں وضاحت و تفصیل کی یکساں ضرورت رہتی ہے، تاکہ لوگوں کو اپنے معاملات زندگی کے سمجھنے میں کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔ اس کے برعکس تکوینی یا نیچرل امور و معاملات کا حال مختلف ہے۔ کیونکہ ان امور کا تعلق دین کے بنیادی احکام و مسائل سے نہ ہونے کی بنا پر ہر زمانے میں ان کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہتی، بلکہ ان کی حاجت مخصوص ادوار اور مخصوص حالات میں پیش آتی ہے۔ اسی لیے ایسے معاملات ذرا مبہم طور پر بیان کیے جاتے ہیں تاکہ وقت آنے پر ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح قیامت تک ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اس کتاب حکمت کے نئے نئے پہلو اجاگر ہوتے رہیں گے۔

دوسری بات یہ کہ ان تکوینی (Natural) امور و مسائل کا ہر دور کے علوم سے نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ اور یہ معمولی اور سطحی غور و فکر کے ذریعے واضح نہیں ہو سکتے، بلکہ علوم و فنون کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے، تب کہیں جا کر ٹھوس اور پائیدار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر اہل اسلام میں ان امور و مسائل پر غور کرنے والی ایک مخصوص جماعت کا ہونا بہت ضروری ہے۔

غرض اوپر کے صفحات میں جن حقائق کا انکشاف کیا گیا ہے وہ خدائی منصوبے کے مطابق اشاروں وکنایوں کی زبان میں مذکور ہیں تاکہ چودہ سو سال قبل کے سائنسی حقائق سے نابلد معاشرے کو قرآنی آیات کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری بھی نہ رہے اور وقت آنے پر یہ اشارات وسیع اور معنی خیز بھی بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں قرآن حکیم نے نظام کائنات سے متعلق غلط خیالات ونظریات کی پوری طرح کھل کر تردید نہیں کی بلکہ ایک حکیمانہ اور دانشمندانہ اسلوب اختیار کیا تاکہ لوگوں کو کسی قسم کی دشواری نہ پیش آئے یا وہ کسی اور قسم کی غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں، نیز اس میں یہ حکمت بھی ملحوظ تھی کہ قرآن حکیم کا جو اصل موضوع تعمیر اخلاق اور درس انسانیت ہے اس سے ہٹ کر اس کے متبعین کو اس کے دور کے غیر ترقی یافتہ معاشرے کے لئے ...... قرآن کے ان منئے دعووں، کی تفہیم کرانا اور ان کا ثبوت فراہم کرنا مشکل ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ منکرینِ اسلام فوراً یہ اعتراض کرتے اور کہتے کہ قرآن تو ایسے حقائق کا ادعا کر رہا ہے جو مروجہ نظریات کے خلاف ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ اس کے ماننے والے پہلے ان دعووں کا ثبوت پیش کریں اور یہی اصول مابعد کے تمام ادوار میں بھی صادق آتا ہے۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ قیامت اور حشر ونشر وغیرہ کے متعلق جو دعوے اسلام کے ہیں وہ دوسری قسم کے ہیں جو تمام انبیاء کرام اور تمام مذاہب کی متفقہ تعلیم کے مطابق ہے یعنی ایک دن یہ سارا سلسلۂ وجود درہم برہم ہو جائے گا اور تمام انسانوں اور دیگر ذی عقل مخلوق (جنات) کا محاسبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر کے ان کے اچھے بُرے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

یہ بنیادی عقائد اور تصورات دین اگرچہ لوگوں کے مروجہ علوم و فنون اور ان کے افکار و نظریات سے خواہ کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں مگر انہی کا اثبات اصل مقصود ہے اور اسی غرض و غایت کے لیے انبیائے کرام کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ اور جدید سے جدید تر علوم و فنون کی ترقیوں کی روشنی میں یہ اور زیادہ نکھر جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں قرآن حکیم کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ دین کے ان بنیادی عقائد و تصورات کو وہ علمی پیشین گوئیوں کے روپ میں پیش کرتا ہے گویا کہ وہ صحیفۂ فطرت کے ثابت شدہ اور کائناتی حقائق ہیں جو علوم و فنون کی ترقی کے باعث مستقبل میں قطعی و یقینی حیثیت سے علمی حقائق کے روپ میں منکشف ہو جائیں گی۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے نظام کائنات میں غور و فکر کی تاکید کی ہے تاکہ نئے نئے انکشافات کے باعث توحید، رسالت، قیامت اور حشر و نشر وغیرہ تمام عقائد خالص سائنٹیفک نقطۂ نظر سے بھی برحق اور دو اور دو چار کی طرح بالکل واضح اور منقح ہو جائیں۔ جن کے ملاحظے کے بعد پھر کسی کے لیے ان حقائق کا انکار کرنے کی مجال باقی نہ رہ جائے۔

چونکہ قرآن حکیم کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں بلکہ اس عظیم ہستی کی جانب سے اتارا ہوا ہے جس نے خود ان تمام مظاہر اور پوری کائنات کی تخلیق کی ہے، اسی بنا پر اس میں کائنات کی مشنری سے متعلق ایک ایک پرزے کی تفصیل درج ہے، جو اگرچہ ہے تو اشاروں کنایوں ہی کی زبان میں مگر متعلقہ علوم کی ترقی کے باعث اس کے تمام اشارات و کنایات واضح اور اس کی تشبیہات و استعارات حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں اسی بنا پر ارشاد ہوا ہے:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط کہدو کہ اس کتاب کو اُس (ہمہ دان و ہمہ بین) ہستی نے اتارا ہے جو ارض و سماوات کے (تمام) بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

(فرقان: ۶)

اگر یہ انسانی کلام ہوتا تو پھر ناممکن تھا کہ اس میں اس قدر یقین آمد اور لازوال کلیات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درج ہوتے اور وہ صدیوں سے اب تک جدید سے جدید علمی تحقیقات و اکتشافات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا! جب کہ انسانی نظریات کی بنیاد پر جو کتابیں تصنیف کی گئی تھیں وہ سب کی سب داستان پارینہ اور اوراقِ پریشاں قرار پا چکیں۔ کیا یہ قرآن عظیم کی صداقت اور اس کا حیرت انگیز علمی اعجاز نہیں ہے؟ قرآن حکیم کا یہ ناقابلِ تردید علمی اعجاز ہی اُس کے من جانب اللہ ہونے کی روشن اور فیصلہ کن دلیل ہے۔

اس سے یہ حقیقت بھی بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ یہ اشارے کتنے اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک کہ متعلقہ علوم کی ترقی نہ ہو جائے۔ مگر اس سے ناواقف لوگ یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ "مسلمان تو علوم کی ترقی ہو چکنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس کا ذکر ہمارے قرآن میں موجود ہے، یہ بات وہ پہلے نہیں کہتے"۔ اصل میں یہ حکیمانہ اور دنیا کی تاریخ میں حد درجہ انوکھا طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا کہ خدائی منصوبے کے مطابق علوم و فنون کی ترقی ہو چکنے کے بعد نوع انسانی کی رہنمائی متعلقہ علوم میں بھی ہو جائے اور اس کے سامنے متعلقہ مسائل میں قرآنی نقطۂ نظر سے خدا پرستانہ حیثیت سے واضح ہو جائے تاکہ وہ کسی بھی حیثیت سے بھٹکنے اور غلط راہوں پر نکلنے نہ پائیں۔ گویا کہ قرآن عظیم انسانوں کو ہر طرح سے اپنے "مضبوط شکنجوں" میں جکڑے رہنا چاہتا ہے۔ یہی اس کی اصل رہنمائی اور اس کا سب سے بڑا کمال ہے۔

اس بحث سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہم صرف اپنے دور کے احوال و کوائف، اصول و نظریات اور تحقیقات و انکشافات کے پابند ہیں۔ ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ قرآن موجودہ دور کے علوم و فنون اور تحقیقات سے متعلق کیا کہتا ہے؟ پھر ہم کو تمام صحیح اصولوں سے کام لے کر قرآن اور جدید علوم کا تقابل کر کے نوع انسانی کی فکری و نظریاتی اعتبار سے رہنمائی کرنی ہے اور اس کے عظیم ترین وصف "فرقان" ہونے کی حیثیت سے اُن علوم و فنون کے کھرے کھوٹے کو چھانٹ چھانٹ کر الگ کرنا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ بلاشبہ ہم نے تمہارے پاس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے[۵] کیا تم نہیں سمجھتے ؟۔ (انبیاء : ۱۰)

ہم کو اس سے بحث نہیں ہے کہ آئندہ دور میں کیا ہوگا اور علوم وفنون کون سا رُخ اختیار کریں گے، کون سے مسائل باقی رہیں گے اور کون سے فنا ہو جائیں گے ؟ ۔ ہم تو صرف اپنے دور کے علوم ومسائل کے پابند ہیں۔ مستقبل کے بارے میں سوچنا ہمارا کام نہیں ہے۔ کیونکہ ہم کو اس بارے میں کوئی جزئی یا کلی علم نہیں ہے۔ اس لیے یہ بات تکلیف مالا یُطاق کے قبیل سے ہوگی۔ آئندہ جب حالات بدل جائیں گے اور نئے علوم وفنون رائج ہو جائیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے کلام برحق کی تائید اور دین ابدی کی نصرت وحمایت کے لیے ایسے بندوں کو ضرور اٹھائے گا جو اس دور کی عقلیت کے مطابق اس دور کی رہنمائی کر سکیں اور علم کلام کے نئے نئے اور بہتر سے بہتر اصول منضبط کر کے ہر قسم کی غلط فہمیوں اور شکوک وشبہات کا پردہ چاک کر سکیں۔ لہٰذا ہمیں زمانہ مستقبل کے تعلق سے خواہ مخواہ پریشان ہو کر موجودہ علوم وفنون سے کنارہ کشی اختیار کرنا دانش مندی سے بعید تر ہوگا۔

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ط

---

[۵] "فِيهِ ذِكْرُكُمْ" (اس میں تمہارا تذکرہ موجود ہے) کی تفسیر میں مفسر ابوالسعودؒ نے بہت بہترین بات تحریر فرمائی ہے کہ اس سے مراد چند شکلیں یہ ہو سکتی ہیں : (۱) اس میں تمہاری عزت وشہرت کا بیان موجود ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا گیا " وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَلِقَوْمِكَ " (اس میں تمہارا اور تمہاری قوم کا ذکر ہے) (۲) کہا گیا ہے کہ تمہارے دینی ودنیوی امور کا بیان موجود ہے۔ (۳) کہا گیا ہے کہ اس میں ان تمام چیزوں کا بیان موجود ہے جو تمہارے مکارم اخلاق کے لیے ضروری ہوں (۴) اور کہا گیا ہے کہ اس میں وعظ ونصیحت (اور تنبیہ وانتباہ) کا سامان موجود ہے۔ اور نظم کلام کے لحاظ سے یہی سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (تفسیر ابوالسعود، برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۳۴۷ - ۳۴۸)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ یہ وہ زبردست (اور بے نظیر) کتاب ہے جس میں باطل (غیر واقعی بات) نہ آگے سے در آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ کیونکہ یہ حکمت اور خوبیوں والی ہستی کی جانب سے اُتارا گیا ہے۔ (حٰمٓ السجدہ: ۴۱-۴۲)

یعنی اس میں جھوٹ اور خلاف واقعہ بات نہ ماضی میں جگہ پا سکی ہے اور نہ مستقبل میں جگہ پا سکتی ہے:-

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا

اور ہم نے (قرآن) کو راستی کے ساتھ اُتارا ہے اور وہ (بالکل) راستی ہی کے ساتھ اُترا ہے۔ (اور اسی بنا پر) ہم نے آپ کو محض بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (بنی اسرائیل: ۱۰۵)

یعنی وہ جو امور بیان کرتا ہے اور جن اصول و ضوابط کی تعلیم دیتا ہے وہ بالکل واضح اور صداقت سے بھرپور ہیں۔ اور اس میں ہر قسم کی خوشخبریوں اور تنبیہ و انتباہ کا سامان جمع کر دیا گیا ہے اور ہمارا کام یہ ہے کہ عصری علوم و فنون کی روشنی میں ان دونوں رُخوں کو خوب وضاحت کے ساتھ نوعِ انسانی کے سامنے پیش کر دیں۔

علم الٰہی کی ازلیت کا آفاقی نظارہ:

مذکورۂ بالا مباحث کی تنقیح میں ضمناً ایک دوسری بحث پیدا ہوتی ہے اور ایک بہت بڑی حقیقت پر سے پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ وہ ہے علم الٰہی کی ازلیت اور کلی و جزئی ہر حیثیت سے اس کے علم کا کائنات کی پوری مشنری اور کل کائنات پر محیط ہونے کا آفاقی اور ایمان افروز نظارہ جس کے ملاحظے سے بہت سے فلاسفہ کے بے بنیاد نظریات کا رد اور بہت سے باطل مذاہب کی جہالت مآبیوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، چنانچہ فلاسفہ کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے[۵] اور مذاہب اسلامیہ میں روافض اور فرقۂ قدریہ کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[۵] شرح عقائد النسفی، از ملا سعد الدین تفتازانی، ص ۳۴، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو اشیاء کی تخلیق سے قبل اُن کا علم نہیں ہو سکتا۔[۱]

مسئلہ علم الٰہیات و کلامیات کے اُن اہم ترین مسائل میں سے ایک ہے جن کے سلجھانے میں انسانی عقل و دانش حیران و سرگرداں رہی ہے۔ مگر خالص فلسفیانہ نقطۂ نظر سے الجھی ہوئی ڈور کا سرا اب تک ہاتھ نہیں آسکا ہے۔ ہاں اسلامی نقطۂ نظر سے عقائد و کلام کی کتابوں میں جو مذکور ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو تمام جزئیات و کلیات اور موجودات و معدومات کا علم بکمال درجہ حاصل ہے"[۲] اس کا قطعی ثبوت قرآن مجید میں موجود ہے اور اس کا آفاقی نظارہ ہمیں قرآن حکیم کو سائنٹفک نقطۂ نظر سے (سائنسی علوم کی روشنی میں) سمجھنے کے بعد یقینی طور پر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی تمام مخلوقاتِ عالم کا خالق ہے۔ اور اسی نے اپنے کلام برحق کی صداقت و حقانیت کے ثبوت کے طور پر اپنی مخلوقات کے تمام احوال اور کائنات کی مشنری کے ایک ایک پُرزے کی ساخت و پرداخت سے متعلق تفصیلی معلومات محض اپنے علم ازلی کی بنا پر پہلے ہی سے ایک منصوبے کے مطابق اپنے کلام میں درج کر دی ہیں۔ اب قرآن اور سائنس کے تقابلی مطالعے سے یہ تمام صداقتیں اور سچائیاں ایک ایک کر کے ظاہر و باہر ہو جاتی ہیں اور علم الٰہی کی ازلیت اور اس کے احاطۂ جزئیات کا حال پوری طرح روشن اور نمایاں ہو جاتا ہے، چنانچہ پچھلے اور اگلے تمام ابواب میں اس قسم کے جتنے بھی حقائق منکشف کیے گئے ہیں اُن سب سے بنیادی طور پر یہ ہمہ گیر اور عالمگیر سچائی پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اگر کوشش کی جائے تو خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب وجود میں آسکتی ہے۔

اسی طرح کتب عقائد و کلام میں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات ازلیہ اور صفات کمالیہ سے متعلق جو اصل بحثیں ـــــ فلسفیانہ موشگافیوں سے ہٹ کر ـــــ موجود ہیں ان سب کا اثبات بھی

---

[۱] شرح فقہ اکبر، از ملا علی قاری، ص ۱۸، مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۵ھ۔
[۲] ایضاً ص ۱۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج قرآن حکیم کے ذریعہ اور سائنسی علوم کی روشنی میں بہت بہتر بلکہ مشاہدہ طور پر کیا جاسکتا ہے۔
لہٰذا ہمارے علماء کو سائنسی علوم کی یہ افادیت اور قرآن حکیم کا یہ اہم اور حیرتناک پہلو بھی مدنظر رکھنا چاہیے، تاکہ عالم انسانی کو قرآن حکیم کی ابدی و سرمدی صداقتوں سے آگاہ کر کے اس کو اس سرچشمۂ ہدایت کی طرف لایا جاسکے۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝ کیا وہی بے خبر رہ سکتا ہے جس نے (تمام مخلوقات کو) پیدا کیا ہے؟ حالانکہ وہ بہت باریک بین اور بڑا ہی باخبر ہے۔ (ملک: ۱۴)

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ ط وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعْلَمُھَا وَلَا حَبَّۃٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ اور اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، جن کو بجز اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ بر و بحر میں جو کچھ ہے سب کو جانتا ہے۔ اور جو پتہ بھی (کسی درخت کا) گرتا ہے وہ اس کو جانتا ہے۔ اور زمین کی تاریکیوں میں پایا جانے والا کوئی دانہ اور کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں ہے جو کتاب روشن میں درج نہ ہو۔ (انعام: ۵۹)

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْھَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْھَا ط۔ وہ جانتا ہے اُن تمام چیزوں کو جو زمین میں داخل ہوتی ہیں اور اس سے خارج ہوتی ہیں اور اُن تمام چیزوں کو جو آسمان سے اترتی ہیں (مثلاً کائناتی شعاعیں اور شہاب ثاقب وغیرہ) اور (پھر) آسمان میں چڑھتی ہیں۔ (سبا: ۳)

عٰلِمُ الْغَیْبِ لَا یَعْزُبُ عَنْہُ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْبَرُ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ وہ غیب (تمام پوشیدہ چیزوں) کا جاننے والا ہے۔ اُس (کی نظروں) سے زمین اور اجرام سماوی میں موجود کوئی رتی سی چیز (جیسے ایک ایٹم) یا اس سے چھوٹی (ایٹمی ذرات اور شعاعیں وغیرہ) یا اس سے بڑی (جیسے سالمات، غرض کوئی بھی چیز اس کے علم سے) غائب نہیں ہوسکتی۔ (بلکہ اُن تمام مظاہر کا حال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کھلی کتاب میں مندرج ہے۔ (سبا: ۳)

ترمذی کی ایک حدیث میں قرآن حکیم کی جو جامع اور حیرت انگیز صفات بیان کی گئی ہیں وہ آج بالکل مطابق واقعہ نظر آتی ہیں:

فیہ نبأ ما کان قبلکم، وخبر ما بعدکم، وحکم ما بینکم، ھو الفصل لیس بالھزل، من ترکہ من جبار قصمہ اللہ، وابتغی الھدیٰ فی غیرہ أضلہ اللہ، وھو حبل اللہ المتین، وھو الذکر الحکیم، وھو الصراط المستقیم، ھو الذی لا تزیغ بہ الأھواء، ولا تلتبس بہ الألسنۃ، ولا یشبع منہ العلماء، ولا یخلق علی کثرۃ الرد، ولا تنقضی عجائبہ، ھو الذی لم تنتہ الجن اذا سمعتہ حتی قالوا انا سمعنا قرآناً عجباً یھدی الی الرشد، من قال بہ صدق، ومن عمل بہ اجر، ومن حکم بہ عدل، ومن دعا الیہ ھدی الی صراط مستقیم[1]

قرآن میں تمہارے دور سے پہلے کی خبریں بھی ہیں اور تمہارے دور کے بعد کے واقعات بھی۔ وہ تمہارے (تمام) باہمی معاملات (داختلافات) میں حاکم ہے۔ وہ (ہر معاملے میں) قول فیصل ہے کوئی ہنسی مذاق نہیں، جس نے تکبر کی بنا پر قرآن کو چھوڑا، اللہ نے اس کو ہلاک کیا۔ اور جس نے اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا ذریعہ ہدایت اختیار کرنا چاہا تو اللہ نے اس کو گمراہ کیا۔ وہ اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ وہ حکمت والا تذکرہ ہے۔ وہ سیدھا راستہ ہے۔ وہ ایسا کلام ہے کہ خواہشات کو بے قابو ہونے نہیں دیتا۔ وہ ایسا کلام ہے کہ انسانی زبانیں اس سے میل نہیں کھاتیں۔ علماء کی طبیعت اس سے سیر نہیں ہوتی۔ وہ کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ یہ وہی کلام ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو انھیں یہ کہے بغیر چارہ نہ

---

[1] جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل القرآن، جلد دوم، مطبوعہ مصر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا کہ " ہم نے ایک نہایت ہی عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے"
(اب) جس نے بھی قرآن کے مطابق کہا سچ کہا۔ جس نے اس پر عمل کیا ثواب پایا۔ جس نے اس کے
مطابق فیصلہ کیا اس نے انصاف کیا اور جس نے اس کی طرف لوگوں کو بلایا اس نے صراط مستقیم کی
دعوت دی "

اس حدیث شریف کے مطابق قرآن حکیم کی جو علمی خبریں آج علوم جدیدہ کی روشنی میں ہم پر منکشف ہو رہی ہیں وہ نہ صرف قرآن حکیم کی بلکہ خود اس حدیث شریف کی حقانیت کا بھی ایک ثبوت بہم پہنچا رہی ہیں۔ ان علمی خبروں کے ملاحظے سے بالکل یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم قرآن حکیم کے روپ میں علم الٰہی کی ازلیت و آفاقیت کی ایک "ٹیلی ویژن فلم" دیکھ رہے ہیں، جس میں صحیفۂ فطرت کے نقش و نگار، اس کی رنگا رنگیاں اور اس کے تمام چھوٹے بڑے مظاہر ایک خاص انداز میں درج ہیں اور اکثر "سیر توں" کے تمام بنیادی نکات کا اصولی طور پر احاطہ کر لیا گیا ہے، اس طرح کہ کوئی معمولی سے معمولی جز اور کوئی ادنیٰ سا منظر قدرت بھی درج ہونے سے چھوٹ نہیں سکا ہے۔ مگر اس کی ایک خاص زبان اور ایک خاص اسلوب ہے جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ خود اس حدیث میں اشارہ موجود ہے (ولا تلبس به الالسنة: انسانی زبانیں اس سے میل نہیں کھاتیں)۔ اس اسلوب کو سمجھ لینا ہی دراصل قرآن کی "شاہ کلید" یا Master Key کو پا لینا ہے، جس کے ذریعہ اس کے تمام "بند دروازے" کھل جاتے ہیں اور اسرار و معارف کی بارش ہونے لگ جاتی ہے۔

غرض قرآن حکیم کا یہ ایک زبردست علمی اور تاریخی اعجاز ہے اور اس کی صداقت و حقانیت کا ایک یقینی اور فیصلہ کن ثبوت ہے کہ چودہ سو سال قبل ایک اُمّی — فداہ ابی و امّی — کی زبان حقیقت بیان سے جو دعوے کرائے گئے تھے وہ آج علم و تحقیق کی روشنی میں نہ صرف صحیح اور برحق ثابت ہو رہے ہیں بلکہ ایک ہمہ داں و ہمہ بیں ہستی — جل جلالہٗ — کے وجود کی بھی ناقابل انکار شہادت فراہم کر رہے ہیں، جس کا علم ازلی اور محیط بالجزئیات ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ کائنات کے ایک ایک ذرّے، ایک ایک ایٹم اور اس کے اندر واقع تمام اجزاء اور ان کی کارفرمائیوں سے پوری طرح واقف اور باخبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط (اے مخاطب) کیا تو نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی تمام چیزوں سے واقف ہے۔ (مجادلہ: ۷)

وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ اس نے (اس عالم رنگ وبو کی) ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ (انعام: ۱۰۱)

اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ○ ہاں جان لو کہ وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (حٰم سجدہ: ۵۴)

علماء اور خلافتِ ارض کی ذمّہ داریاں:

اصل بحث فلسفۂ یونان اور اس کے غلط نظریات کی چل رہی تھی۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ ہمارے علماء کا وہ طبقہ جو فلسفۂ یونان کا شیفتہ اور اس کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے، علم وتحقیق کی ان ساری تبدیلیوں سے ناواقف رہ کر اب تک "جزو لایتجزیٰ" کے وجود وعدم وجود اور "افلاک سبعہ وتسعہ" کی بےکار اور مہمل بحثوں بلکہ فرضی و وہمی مسائل میں الجھا ہوا ہے، جن سے نہ تو دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ دنیا کا۔ لے دے کے ان کی اہمیت قرونِ وسطیٰ میں محض کلامی حیثیت سے تھی مگر آج وہ بھی باقی نہیں رہ گئی۔ بلکہ ان فرضی و وہمی علوم کی جگہ آج جدید فلسفہ، جدید منطق[۱] اور تجرباتی علوم نے لے لی ہے۔ اور موجودہ دور کی عقلیات کا توڑ کرنے کے لیے جدید فلسفہ اور سائنسی علوم کا مطالعہ ضروری ہے نہ کہ قدیم اور ازکار رفتہ یونانی عقلیات کا۔

یونانی فلسفہ جہاں بھی گیا اس نے جھگڑے فسادات پیدا کیے، خواہ اسلامی دور میں یا یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں۔ یونانی فلسفہ اپنے اصل مزاج کے اعتبار سے "بے علمی" کی تعلیم دیتا ہے۔ مسلمانوں میں اس نے اس اعتقادی حیثیت سے تفرقہ ڈال دیا

---

[۱] استقرائی منطق جو تمام تجرباتی علوم کی جان اور روحِ قرآن کے عین مطابق ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈالا، فرقے پیدا کیے اور ایک کو دوسرے سے لڑایا۔ یہ کام یورپ میں ایک دوسرے طریقے سے کیا گیا اور لاکھوں آدمی کلیسا کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ ارسطو کے فلسفے اور اس کے نظریات کا انکار کرنے والوں کو سولی پر چڑھایا اور زندہ جلایا گیا۔ یہ ایسی کہانی ہے جس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے برعکس تجربی علوم مفید، ضروری اور حرکت پیدا کرنے والے ہیں، جن کی طرف رہنمائی ـــــ جیسا کہ تفصیلات پچھلے ابواب میں گذر چکیں ـــــ قرآن حکیم نے کی اور قرون وسطیٰ میں ان کی ترقی ہوئی اور موجودہ دور میں وہ منتہائے کمال کو پہنچ گئے ہیں۔ اس لحاظ سے ہمارے علماء اور ارباب فکر کے لیے ضروری ہے کہ ان جامد اور غیر متحرک علوم ـــــ جو تجربے و مشاہدے کے دشمن اور ہر قسم کی "بے عملیوں" نیز جھگڑے فسادات کی علامت ہیں ـــــ کو ترک کر کے حقیقی اور افادی علوم کو اختیار کریں جن سے قرآن حکیم کی صداقت وحقانیت بھی ثابت ہوتی ہے، بلکہ دراصل قرآن حکیم نے خود اپنی صداقت وسچائی کے اثبات ہی کے لیے تجرباتی علوم کی ترقی کی دعوت دی تھی تا کہ قرآن حکیم کا اصل معجزہ ظاہر ہو اور نوع انسانی کے سامنے وہ ایک فیصلہ کن کلام کی حیثیت سے آئے اور اس کے لیے حجت و برہان بن جائے۔

مذکورہ بالا مباحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ یونانی فکر وفلسفہ اپنے مزاج اور ماہیت کے اعتبار سے تجربی علوم سے یکسر مختلف ہے، بلکہ ان دونوں میں ایک طرح سے تعارض وتضاد پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمان ارسطو کی منطق وفلسفے سے چمٹے رہے انھوں نے سائنسی اور مادی میدان میں کوئی ترقی نہیں کی۔ مگر جیسے ہی انھوں نے قرآنی فکر اور اس کی دعوت کے مطابق تجربے ومشاہدے کو رہنما بنایا اُن پر نئے نئے حقائق منکشف ہونے۔ یہی حال یورپ کے دور احیاء یا نشأۃ ثانیہ کا بھی ہے۔ جب تک ارسطو کی منطق وفلسفہ اور اُس کے نظریات کو ـــــ جن سے کلیسا چمٹا ہوا تھا ـــــ ردّ نہیں کیا گیا جدید علوم وفنون کی ترقی عمل میں نہیں آسکی اور وہ ایجادات واکتشافات ـــــ جن سے آج ہم متمتع ہو رہے ہیں ـــــ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضِ وجود میں نہیں آسکے۔ یہی حقیقت آج بھی صادق آتی ہے۔ جب تک ہم یونانی حکمت وفلسفے کو سینے سے لگائے رکھیں گے ــــ جیسا کہ آج ہمارے اکثر ہندوستانی عربی مدارس کا خاصہ ہے ــــ ہم خلافت ارض کے میدان میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکیں گے۔ کیونکہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ان عقلی علوم کا مزاج ہی بنیادی طور پر جمود کی تعلیم دینا اور زندگی کے میدان اور اس کے ہنگاموں سے دور رکھنا ہے۔ اور پھر یہ کوئی الہامی علوم بھی نہیں ہیں کہ ہم انھیں اس قدر ضروری اور اہم قرار دیتے ہوئے انھیں عملاً دینی علوم کے برابر کا درجہ دے دیں۔

فلسفۂ یونان چونکہ محض نظری ہے اور عملی دنیا سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے اس بنا پر وہ تجربات ومشاہدات کی رُو سے واقع ہونے والے تمام تغیرات وانقلابات سے بے پروا ہو کر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ سے قائم رکھے ہوئے ہے۔ اور اس سلسلے میں اُسے نہ تو قرون وسطیٰ کے مسلم سائنس دانوں کے تجربات وتحقیقات کے نتیجے میں رونما ہونے والی فکری ونظری تبدیلیوں کی کچھ پروا ہے اور نہ عصر جدید کے علمی تغیرات وانقلابات سے چنداں پریشانی! بلکہ اس کے افکار ونظریات جس طرح ہزاروں سال قبل درخور اعتنا سمجھے جاتے تھے اسی طرح بلکہ شاید اس سے کچھ زیادہ قطعیت کے ساتھ آج بھی مسلّم اور ناقابل تردید ــــ بعض مخصوص حلقوں میں ــــ سمجھے جا رہے ہیں۔ زمین اپنی جگہ سے ہل سکتی ہے اور آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر ان "پیمبران یونان" کے اقوال میں کوئی ترمیم نہیں ہو سکتی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یونانی افکار پر یہ فریفتگی بلکہ "ثابت قدمی" شاید اس بنا پر ہو کر سائنسی علوم ان کی نظر میں چونکہ "ارتقاء پذیر" ہیں اس لیے وہ قابل اعتنا نہیں ہو سکتے۔ اس کے برعکس یونانی افکار میں چونکہ "ارتقاء" کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لیے گویا وہ اس قابل ہیں کہ ان پر ثابت قدم رہا جائے اور ان پر مداومت کی جائے۔ اور عجب نہیں کہ کسی کے ذہن میں یہ تصور بھی ہو کہ علم کا مسافر ہو سکتا ہے کہ تھک کر پھر کسی وقت اُسی منزل کی طرف لوٹ آئے جہاں پر فکر یونان "پڑاؤ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈالے ہوئے ہے ۔

اسلام نے منصب خلافت کی وضاحت اور اس کی ذمہ داریوں کے فرائض نہایت خوبی کے ساتھ بیان کیے تھے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علمائے اسلام کا ایک بڑا حلقہ اس منصبِ عظیم کو سمجھنے اور اس کی وضاحت کرنے میں ــــ نادانستہ طور پر ــــ ناکام رہا ہے ۔ بالفاظِ دیگر اسلام اپنے کردار کی ادائیگی میں ہرگز ناکام نہیں رہا بلکہ اس کے پیرو اور اس کے ماننے والے ناکام رہے ہیں ۔ اور علماء کی اس ناکامی میں ــــ میرے ناقص علم کی رو سے ــــ یونانی منطق و فلسفے نے تاریخی رول ادا کیا ہے ۔ مسلمان علمائے یونان کے نظری علوم میں غلو کی حد تک کچھ اس طرح منہمک ہو گئے اور انھیں اپنے سر پر اس طرح بٹھا لیا کہ تجرباتی علوم ــــ وہ علوم طبیعی و حیاتیاتی جن میں کمال حاصل کر کے یورپ زمین کی مادّی خلافت پر قابض ہو گیا ــــ سے بالکل غافل ہو گئے اور خلافت ارض کے اصل مقصد کو فراموش کر دیا ۔ علامہ اقبال نے بجا طور پر فرمایا ہے :

"یونانی فلسفے نے مفکرین اسلام کے مطمح نظر میں اگرچہ بہت کچھ وسعت پیدا کر دی تھی مگر بحیثیت مجموعی قرآن مجید میں اُن کی بصیرت محدود ہو کر رہ گئی ہے"[1]

یورپ نے ارسطو کی عقلیات کو رد کر کے سائنس اور مادیت میں اتنی ترقی کر لی کہ وہ ان کے بل بوتے پر تمام اقوام عالم پر غالب آگیا اور پوری دنیا کو زیر کر بیٹھا ۔ مگر مشرقی ممالک اب تک ان "اوراق پریشان" کو سینے سے لگائے ہوئے ذلت و نکبت اور غلامی کی تصویر مجسّم بنے ہوئے ہیں اور "علم اسماء" میں برتر و فائق تر قوموں کے وارث بنے جا رہے ہیں اور حال یہ ہو گیا ہے کہ "اُف" تک کہنے کی بھی مجال باقی نہیں رہ گئی ہے ۔ پانی سر سے بہت اونچا ہو گیا ہے لہذا اب ہم کو پوری طرح ہوش میں آجانا چاہیے ۔ ہم[*] خیالات و معروضات

---

[1] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، ص ۵، مطبوعہ لاہور ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی دنیا میں کچھ اس طرح کھو گئے ہیں کہ ہمیں بالکل کوئی خبر نہیں ہے کہ ہمارے گردوپیش علمی دنیا میں کیا کیا انقلابات وتغیرات واقع ہو چکے ہیں! گویا کہ یونان کی "خیالی دنیا" نے ہمیں اب تک "واقعی دنیا" میں قدم رکھنے سے روکے ہوئے ہے مگر جب تک ہم اس خیالی دنیا کے طلسم سے باہر نکل کر واقعات کی دنیا میں قدم نہیں رکھتے ہم کسی بھی چیز کا حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جائزہ نہیں لے سکتے اور خلافت ارض کے میدان میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتے۔

لہٰذا ہماری دینی، ملّی اور قومی غیرت کا تقاضہ ہے کہ ہم اس ناگفتہ بہ اور اندوہناک صورت حال کو بدلیں۔ جدید علوم وفنون کو اپنانے سے نہ صرف ہماری قومی وملّی زندگی کی کایا پلٹ سکتی ہے بلکہ بین الاقوامی حیثیت سے بھی ہماری شان وشوکت اور ہمارے قومی وملّی وقار میں اضافہ ہو سکتا ہے، نیز فکری ونظریاتی اعتبار سے اتنے سارے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جو شمار سے بھی باہر ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہماری ملت کے ارباب حل وعقد پوری ہوش مندی اور دیانتداری کے ساتھ ان مسائل پر غور وفکر کر کے موجودہ تاریخ کے مشکل اور نازک ترین لمحات میں ملت اسلامیہ کی صحیح اور بروقت رہنمائی کریں۔ اس وقت بین الاقوامی اعتبار سے امت مسلمہ جن ناگفتہ بہ حالات سے گذر رہی ہے اس کا تقاضہ ہے کہ ہمارا ایک ایک قدم صحیح لائنوں اور صحیح سمتوں کی طرف اٹھے۔ یہ وقت تاریخ نگاری کا نہیں بلکہ تاریخ سازی کا ہے اور ہماری ذراسی بھی چوک اور کوئی بھی غلط فیصلہ بھیانک اور تباہ کن نتائج پیدا کر سکتا ہے۔ اور ہم خیالات کی دنیا میں رہ کر اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا محض خواب ہی خواب دیکھتے رہ جائیں گے۔

لہٰذا ہمارے ارباب ملت کا فرض ہے کہ وہ فکری ونظریاتی اعتبار سے قوم وملت کی صحیح رہنمائی فرمائیں تاکہ گرداب میں پھنسی ہوئی کشتی پار لگے۔ ورنہ پوری ملت کا خون ناحق اس کے ناخداؤں کی گردن پر ہوگا اور وہ خدا کے نزدیک جواب دہ ہوں گے۔ لہٰذا ہمارے علمائے کرام کو منفی رویہ ترک کر کے مثبت رویہ اپنانا ہوگا۔ یہ بہت بڑی اور بھاری ذمہ داری ہے بلکہ ایک بہت بڑا اور کٹھن امتحان اور ایک زبردست چیلنج ہے، جس کا پوری ہوش مندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور بیدار مغز ی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔

علماء اور جدید مسائل:

علوم جدیدہ سے علماء کی دوری اور بے گانگی کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جدید علوم کی نشو و نما اور ان کی ترویج و اشاعت کے باعث معاشرہ جن نئے نئے علمی، فکری، معاشرتی اور تمدنی مسائل و مشکلات سے دوچار ہوتا ہے، ان سے بھی مکمل بے گانگی عمل میں آئی۔ اور یہ تصور عام ہو گیا کہ اب علماء کو ان علوم اور ان مسائل سے کسی بھی قسم کا کوئی سروکار نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن کے مقاصد اور اس کے عالمگیر نظریات کے مطابق ضروری تھا اور ہے کہ وہ انسانی معاشرے کے ایک ایک "یونٹ" میں گھستے اور اس کے ایک ایک رگ و ریشے سے واقف ہو کر اپنا فریضہ "معروف و منکر"[1] ادا کرتے۔ معروف و منکر محض چند رسم یا رواجات کی تلقین کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ انسانی افکار و نظریات، اس کے فلسفوں اور اس کی تمام تحریکوں کا جائزہ لے کر کھرے کھوٹے کو الگ کرنا اور صحیح و سقیم کا حال ان کے وسیع مفہوم کے مطابق عقل و نقل کی روشنی میں پوری وضاحت کے ساتھ کر کے ان کے نشیب و فراز اور عواقب و نتائج سے پوری نوع انسانی کو آگاہ و متنبہ کرنا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝

بڑا ہی بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے (محمدؐ) پر فرقان (حق و باطل میں تمیز کرنے والی فیصلہ کن کتاب) نازل کی تاکہ وہ سارے جہان کو متنبہ کر سکے۔ (فرقان: ۱)

اس لحاظ سے معاشرہ کی اصلاح اور گمراہ کن فلسفوں اور تحریکوں کے ابطال کے لیے

---

[1] معروف کے لغوی معنی ہیں "جانا پہچانا" یعنی ہر وہ (قول یا) فعل جس کو عقل و نقل اچھا اور قابل تحسین قرار دیں۔ اسی طرح منکر کے لغوی معنی ہیں "غیر جانا پہچانا" یا "امر ناشناس" یعنی ہر (قول یا) فعل جس کو عقل و نقل برا اور قبیح سمجھیں۔ (ماخوذ از المفردات فی غریب القرآن)

© rasailojaraid.com

ان فلسفوں اور علوم و مسائل سے نہ صرف واقفیت ضروری بلکہ فرض کفایہ ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ (۶۶۱ — ۷۲۸ھ) نے اس مسئلے میں کہ غیر منقول مسائل میں خوض جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ اگر جائز ہے تو اس کے ضروری اور واجب ہونے کی کوئی دلیل ہے بھی یا نہیں؟ تحریر فرمایا ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں اُس پر مجمل اور عمومی طور پر ایمان لانا سب پر واجب ہے، مگر اس کی تفصیلی معرفت حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ اور یہ شق دین کی تبلیغ میں داخل ہے۔ اسی طرح یہ بات قرآن کے تدبّر اور اس کے فہم، کتاب وحکمت کے علم اور اس کی حفاظت، خیر اور معروف کی طرف بلانے، منکرات سے روکنے اور راہ خداوندی کی طرف حکمت و موعظت اور بہترین مجادلے و مباحثے کے ذریعہ دعوت دینے وغیرہ تمام امور میں داخل وشامل ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے واجب قرار دیا ہے۔ لہٰذا (ان تمام حیثیتوں سے) یہ علم واجب کفایہ[1] ہے"[2]

ظاہر ہے کہ اگر علماء اور دین الٰہی کے رمز شناس ہی اس کوچے سے ہٹ جائیں تو پھر اصلاح عالم کا فریضہ کون ادا کر سکے گا؟ لہٰذا ہر دور میں علماء پر یہ فریضہ ایک فرض کفایہ کے طور پر عائد رہتا ہے کہ وہ اپنے دور کے تمام غلط اور بے بنیاد افکار وخیالات اور گمراہ کن تحریکوں نیز خدا بیزار فلسفوں اور دیگر تمام علمی واعتقادی مفاسد کا پوری باریک بینی کے ساتھ جائزہ

---

[1] فقہی اعتبار سے شرعی احکام فرض، واجب، سنت اور مندوب (یا مستحب) میں منقسم ہیں۔ فرض اور واجب کی تعریف میں تھوڑا سا فرق ہے مگر یہ دونوں وہ ہیں جن کی ادائیگی ہر حال میں ضروری ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ، اسی طرح واجب عین اور واجب کفایہ۔ فرض عین اور واجبِ عین وہ احکام ہیں جن کی ادائیگی امت کے ہر فرد پر ضروری ہو۔ اس کے برعکس فرض کفایہ اور واجب کفایہ وہ ہیں کہ اگر کچھ افراد ان کو ادا کر دیں تو بقیہ افراد کے ذمے سے یہ فرض ساقط ہو جائے۔ [2] موافقۃ صریح المعقول لصحیح المنقول، برحاشیہ منہاج السنۃ، ۱/۱۳۲ مطبوعہ

© rasailojaraid.com

نے کردہ کتاب حکمت" کی روشنی میں ان کا علمی تجزیہ کریں پھر اُن مقاصد کو نمایاں اور خدائی ہدایت و رہنمائی کو واضح کر کے عالم انسانی کی فکری و نظریاتی اعتبار سے صحیح رہنمائی کریں۔

یہ ہے علمائے اسلام کا صحیح مقام اور ان کا صحیح منصب۔

جدید فلسفے اور تحریکیں:

آج اسلام کو جس قسم کے ہمہ گیر اور عالمگیر فکری و نظریاتی چیلنج کا سامنا ہے اس قدر ہمہ گیر و عالمگیر چیلنج سے اس سے پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ ایک طرف سائنسی علوم و فنون کی غلط اور مادہ پرستانہ نقطۂ نظر سے تشریح و توجیہ کی جاتی ہے[1] تو دوسری طرف ان غلط رجحانات و توجیہات کی بنیاد پر مختلف کے منظم فلسفے اور تحریکیں منظر عام پر آ رہی ہیں۔ اور ان تمام کا بنیادی خمیر الحاد و لادینیت ہے۔

یہ تمام فلسفے اور تحریکیں خوشنما نعروں اور دلفریب لیبلوں کے سہارے پورے عالم انسانی پر تھوپے اور لادے جا رہے ہیں۔ اور پورا عالم انسانی آج مادیت کے ان "دلآویز نغموں اور کھلونوں" کے سہارے کشاں کشاں "موت کی وادی" کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ایک طرف تہذیب جدید کے وہ علمبردار ہیں جو تہذیب کے نام پر ہر "معروف" کو مٹا کر ہر قسم کے "منکر" کو فروغ دینا چاہتے ہیں، دوسری طرف یہودیوں کی خفیہ اور عالمگیر تحریک ہے جو یہودیت

---

[1] صفحات گذشتہ میں بخوبی واضح کیا جا چکا کہ سائنسی اور تجرباتی علوم اصلاً غیر جانبدار ہیں۔ مگر مادہ پرست ان کی تشریح (اپنے نظریات کے مطابق) کرتے ہیں اور بحث کا رُخ جس طرف چاہتے ہیں موڑ دیتے ہیں۔ اس کے برعکس بہت سے موحد اور خدا پرست سائنسداں بھی ہیں جو اُن سے صحیح نتائج اخذ کرتے ہوئے ایک ذات برتر کے وجود کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس طرح ہمارا مقابلہ اصلاً ان علوم سے نہیں بلکہ ان غلط رجحانات سے ہے جو اُن "کائناتی حقائق" کو غلط رُخ پر لے جانا چاہتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصہیونیت کے غلبے و تسلط کی خاطر ہر قسم کی اخلاق سوزی اور عریانیت و فحاشی کو مختلف فلسفوں اور ازموں کے نام پر ترقی دے رہی ہے [لہ] یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اشتراکیت اور کمیونزم ہے جو پورے عالم کو اپنے چنگل میں لے کر اس کو وسیع ترین "جبری کیمپ" میں تبدیل کر دینے کے درپے ہے۔ کمیونزم کے زیر اثر ممالک کو چھوڑ کر بقیہ تمام ممالک کے فکری حالات کا اگر جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہر جگہ ایک عجیب قسم کی "بے فکری" یا بے مقصدیت کا دور دورہ پایا جاتا ہے۔ یہ موجودہ الحاد و لادینیت کا عالمگیر "تحفہ" ہے جو اس نے نوع انسانی کو دیا ہے کہ اس سے اس کا مقصد زندگی چھین کر اس کو نرا حیوان بنا دیا۔

تہذیب جدید کے علمبرداروں نے کلیسا (Church) اور عیسائیت کی خود ساختہ مذہب سے بغاوت کر کے روح اور اس کے مظاہر کو سمجھنے میں سخت ٹھوکر کھائی اور مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ قرار دے کر انسان کو اخلاقی قیود سے بالکل آزاد کر دیا۔ جس کے نتیجے میں عیاشیوں اور خرمستیوں کے نئے نئے طریقے سوچے گئے اور عشرت کدوں کو نئے سرے سے اس طرح آراستہ

[لہ] چنانچہ مختلف مادی فلسفوں کو فروغ دینے اور دنیا میں عالمگیر گمراہی پھیلانے میں یہودیوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ مثال کے طور پر ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو اپنانے اور پھیلانے میں یہودیوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے، جنھوں نے اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے اپنایا۔ (ملاحظہ ہو "صراع مع الملاحدۃ" ص ۲۲۱، از عبدالرحمٰن حسن جبنکہ المیدانی، مطبوعہ دمشق، ۱۹۷۴ء)

اسی طرح نظریۂ اشتراکیت کا بانی کارل مارکس، فلسفہ جنسیت کے نام سے حیوانی شہوت کو فروغ دینے والا فرائڈ اور اجتماعیات کا مادہ پرستانہ فلسفہ پیش کرنے والا ڈر کایم یہ تینوں یہودی تھے، جنھوں نے مختلف میدانوں میں کام کر کے مذہب و اخلاق کے نقوش کو مٹا پھینکنے کی راہ میں بنیادی رول ادا کیا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب "انسانی زندگی میں جمود و ارتقاء" مترجمہ ساجد الرحمان، مطبوعہ لاہور۔ نیز ملاحظہ ہو "الشیوعیۃ ولیدۃ الصہیونیۃ" از احمد عبد الغفور عطار (باقی ص ۷۴۳ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا کہ حیوانیت کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ گئے۔

یہ فلسفے، یہ "ازم" اور یہ مختلف قسم کی تحریکیں آج عالم اسلام سمیت پورے اقوام عالم کے ذہن و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور آج ہمیں انہی تمام ملحدانہ اور مادہ پرستانہ افکار و نظریات سے سابقہ پڑا ہے۔ ہمارے نونہالوں کو بچانے اور نئی نسل کو اس "تار فرنگ" سے باہر نکالنے کے لیے محض شور و غوغا کرنا یا اسلام اور اخلاق کی دہائی دینا کافی نہیں ہے۔ کیونکہ آج قدریں بدل گئی ہیں اور ہر چیز کا معیار تبدیل ہو گیا ہے۔ موجودہ دور خالص عقلی و استدلالی دور ہے اور آج کے ذہن و دماغ کو وہی چیز مطمئن کر سکتی ہے جو موجودہ دور کے عقلی معیار اور مزاج کے مطابق ہو۔ زمانے کے مزاج کو نہ پہچانتے ہوئے محض پرانے ہتھیاروں سے مقابلہ آرائی کی کوشش کرنا ایک عبث اور بے سود فعل ہوگا، بلکہ بعض حالات میں نقصان دہ بھی۔

بہرحال آج ہم کو جن فتنوں، ازموں اور مادی تحریکوں کا سامنا ہے ان میں سے چند خاص خاص حسب ذیل ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴)

عبدالغفور عطار، مطبوعہ جدہ (بیروت)۔

اسی طرح یہودیت و صہیونیت کے اصل عزائم اور ان کی عالمگیر خفیہ تحریک سے واقفیت کے لیے دیکھیے:

۱۔ مؤامرة الصهيونية على العالم، احمد عبدالغفور عطار، مطبوعہ مکہ مکرمہ۔

۲۔ بروتوکولات صهيون، مترجمہ احمد عبدالغفور عطار، " "

۳۔ اليهود والمجوسية، عبدالمنعم محمود، المجلس الاعلى للشئون الاسلامية قاہرہ۔

۴۔ حقيقة الماسونية، محمد علی زغبی، دار العربیہ، بیروت۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱- مادیت : .Materialism یعنی اس کائنات میں جو کچھ بھی ہے وہ صرف مادہ ہی مادّہ ہے، کسی دوسری قوت یا طاقت کا قطعًا کوئی وجود نہیں ہے۔ اور یہ خود اپنی علت آپ ہے۔

۲- فطرت پرستی : .Naturalism یہ عقیدہ کہ تمام حقائق "قوانین فطرت" کے ماتحت وجود میں آتے ہیں۔ یہ بھی مادیت ہی کا دوسرا نام ہے۔

۳- تشکیک : .Scepticism یعنی کسی بھی عقیدہ کے متعلق شک کرنا اور شکوک وشبہات پیش کرنا۔

۴- لاادریت : .AGnosticism یہ اعتقاد کہ خدا یا دوسری غیر مادّی چیزوں کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے۔ (یہ نہ تو مذہب کا مؤید ہے اور نہ اُس کا مخالف۔ اور یہ آج کل کے اکثر سائنس دانوں کا مقبول ترین نظریہ ہے)۔

۵- عقل پرستی : Intellectualism یہ نظریہ کہ علم بیشتر عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔

۶- عقلیت : Rationalism یہ نظریہ کہ علم صحیح کی بنا عقل پر ہونی چاہیے۔

۷- خودرائیت : Egoism یعنی فلسفۂ خود غرضی یا انانیت۔

۸- مذہب انسانیت : .Humanism فلسفۂ انسانیت جس کی رو سے انسان کی ذات کائنات کا مرکز ہے۔ اس لیے بجائے عالم آخرت یا عالم طبیعی کے محض انسانی فلاح وبہبود کی کوشش کرنی چاہیے۔

۹- آزادروی : Liberalism یعنی مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی ہر حیثیت سے بے قیدی اور روشن خیالی۔

۱۰- افادیت : .Utiliterianism یہ اصول کہ جو کام اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مفید ہو وہی اچھا ہے۔

۱۱۔ لذتیت: Epicureanism' یہ اصول کہ جس چیز سے لذت حاصل نہ ہو اُس کا وجود بے کار ہے۔

۱۲۔ ڈاروینیت: Darwinism' یعنی انسان اور دیگر تمام انواعِ حیات کا ظہور ایک سادہ قسم کے جاندار (امیبا) سے بتدریج "انتخابِ طبیعی" اور "بقائے اصلح" وغیرہ قوانین کے ذریعہ ہوا ہے، نہ کہ کسی خلاق ہستی کے ذریعہ۔[۵]

---

[۵] "قاموس نا معلومات" کے ایک مقالہ نگار ای، ڈبلو، ایف ٹاملن (E.W.F. Tomlin) نے نظریۂ ارتقاء کی تردید میں مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "معالجۂ دماغی کے ماہر کارل اسٹیرن کے بیان کے مطابق نوع انسانی کے لیے جن تین سب سے بڑی دھمکیوں یا تہدیدات کا سامنا ہے اُن میں سے ایک نظریۂ ارتقا بھی ہے۔ اور بقیہ دو ہیں مارکسزم اور فرائڈ ازم"، (انسائیکلو پیڈیا آف اکنورنس، ص ۲۲۸، آکسفورڈ، ۱۹۷۸ء)

اس موقع پر مذکورہ نمبر ۱۲ سے ۱۷ تک کے نظریات سے تفصیلی واقفیت کیلئے دیکھیے ڈاکٹر رفیع الدین کی کتاب "قرآن اور علم جدید" دیگر فلسفیانہ نظریات سے واقفیت کے لیے فلسفۂ جدیدہ وغیرہ سے واقفیت ضروری ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین نے نظریۂ ارتقاء کو الحاد و دہریت کے تمام فلسفوں کی اصل جڑ بنیاد قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے: "سچ بات تو یہ ہے کہ مغرب کے فلسفیوں میں لامذہبیت اور دہریت کا جس قدر مواد اس وقت موجود ہے وہ ڈارون ہی کے نظریہ کی پیداوار ہے۔ یہ کلیہ بالخصوص کارل مارکس، میگڈوگل، فرائڈ، ایڈلر اور میکیاولی کے نظریات پر حاوی ہے۔" (قرآن اور علم جدید، ص ۱۰۰، لاہور، ۱۹۵۹ء)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۳۔ میگڈوگل کا نظریۂ جبلت، یہ نظریہ کہ انسان کی ساری فطرت اُس کی حیوانی جبلتوں پر مشتمل ہے اور اس کی حیوانی جبلتیں ہی اُس کے تمام افعال کی قوت محرکہ ہیں۔ (اس نظریہ کا تعلق نفسیات سے ہے)۔

۱۴۔ فرائڈ کا نظریۂ جنسیت، یہ نظریہ کہ انسان کو عمل پر ابھارنے والا محرک دراصل اس کا جذبۂ شہوانی ہوتا ہے، گویا کہ وہ ایک مغلوب الشہوت حیوان کی طرح ہے۔ (اس کا تعلق بھی نفسیات یعنی سائیکالوجی سے ہے[۵])

۱۵۔ ایڈلر کا نظریۂ حب تفوق، اس کا تعلق بھی نفسیات سے ہے۔ یعنی یہ نظریہ کہ انسان کے لیے کام کا اصل محرک جذبۂ شہوانی نہیں بلکہ جذبۂ تفوق ہے۔ یعنی وہ دوسروں سے فائق و برتر ہونا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ ایک خود پرست حیوان ہے۔

۱۶۔ اشتراکیت : Communism، یعنی انفرادی ملکیت کے برعکس ہر قسم کے مال و دولت اور جائداد وغیرہ کے بارے میں مشترکہ ملکیت کا نظریہ۔

۱۷۔ انفرادیت : Individualism، عمرانیات یا سماجیات (سوشیالوجی) کا وہ نظریہ جس کی رو سے افراد کو عمل کی آزادی ہونی چاہیے۔ (یہ غیر اشتراکی ملکوں کا نعرہ ہے)

---

[۵] یہ نظریہ کتنا مقبول اور معاشرے میں کتنی گہرائیوں کے ساتھ پیوست ہو چکا ہے کہ اس کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین تحریر کرتے ہیں: "فرائڈ کا نظریہ مغرب کی یونیورسٹیوں میں نصاب تعلیم کا جزو ہے۔ نفسیات جدید کے نام سے اس پر ہزاروں کتابیں لکھی گئی ہیں اور دن رات لکھی جا رہی ہیں۔ اس نظریہ کی اشاعت نے مغرب میں جنسی تعلقات کی ان پابندیوں کو جو مذہب یا سماج نے عائد کر رکھی تھیں بہت ڈھیلا کر دیا ہے۔ وہاں اب یہ خیال عام ہے کہ یہ پابندیاں مضر صحت ہیں، دماغی امراض پیدا کرتی ہیں اور ان سے چمٹے رہنا ایک خطرناک قسم کی قدامت پسندی ہے۔" (حوالۂ مذکور ص ۲۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۸- فلسفۂ قومیت : Nationalism یعنی لسانی، تہذیبی اور جغرافیائی بنیادوں پر ہر قوم کو خود حکومتی کا حق حاصل ہونا چاہیے۔

۱۹- جمہوریت : Secularism یعنی حکومت و ریاست کے تمام معاملات میں مذہبی بنیادوں کو نظر انداز کرتے ہوئے غیر جانبدارانہ یا آزادانہ رویہ اختیار کرنا۔

اس قسم کے بہت سے فلسفے اور تحریکیں ہیں اور اُن تمام کے تذکرے و تبصرے کے لیے ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ بہرحال یہی وہ تمام مادی فلسفے اور نظریے ہیں جو موجودہ عالمگیر الحاد و لادینیت کا خمیر یا اس کے اجزا و عناصر ہیں۔ ان ازموں اور تحریکوں کو بعض علمی اور سائنسی نظریات کا ــــ غلط انداز میں ــــ سہارا لے کر فلسفیانہ رنگ دے دیا گیا ہے گویا کہ یہ فلسفے حقیقت واقعہ کے عین مطابق ہیں۔ حالانکہ علم صحیح اور منطق صحیح کی رو سے یہ تمام فلسفے اور تحریکیں من گھڑت اور بے سر و پا نظر آتی ہیں۔

مگر آج جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن و دماغ پر یہ تمام فلسفے اور ازم اپنی ظاہری چمک دمک، خوش نمائی اور بظاہر نظر آنے والی سطحی اور نام نہاد "عقلیت و منطقیت" کی بنا پر پوری طرح حملہ آور ہو چکے ہیں اور وہ ان افکار و نظریات سے گویا کہ مسحور ہے۔ گویا کہ ایک عالمگیر ذہنی ارتداد پیدا ہو گیا ہے اور خود عالم اسلام بھی اس ذہنی و فکری ارتداد کی لہر سے محفوظ نہیں ہے۔ اس لیے ہم کو سب سے پہلے خود اپنے گھر کی فکر کرنی چاہیے۔

موجودہ معاشرے میں جتنی بھی تہذیبی برائیاں اور اخلاقی مفاسد نظر آ رہے ہیں وہ سب انہی فلسفوں کے برگ و بار اور ثمرات و حاصلات ہیں۔ لہٰذا موجودہ اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو ختم کرنے کے لیے ان فلسفوں پر تیشہ چلانا اور انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا ناگزیر ہوگا۔ ورنہ جب تک یہ جڑیں اور بنیادیں باقی رہیں گی ان سے برگ و بار بھی نمودار ہوتے رہیں گے۔

یہ خرابیاں اس لیے پیدا ہوئیں کہ عقل و نقل کے حدود کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور یہ نکتہ فراموش کر دیا گیا کہ عقل اگرچہ کتنی ہی تیز اور باریک بین کیوں نہ ہو وہ مجرد طور پر فوق الطبیعی امور کا ادراک نہیں کر سکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور انسان کو کوئی ضابطۂ حیات مہیا نہیں کر سکتی۔ مشہور فلسفی بیکن کا کہنا ہے کہ فلسفہ، مذہب اور سائنس کی سرحدیں جدا جدا ہیں ان میں خلط مبحث نہیں کرنا چاہیے[۱] اور عقل کے حدود متعین کرنے میں زمانۂ حال کے نامور فلسفی کانٹ[۲] (۱۷۲۴ــ۱۸۰۴ء) نے نہایت قابل قدر کام کیا ہے اور ایک ایسا ہی تنقیدی فلسفہ مرتب کر ڈالا ہے جو اس سلسلے میں نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی کتاب کا نام ہی "تنقید عقل محض" ہے جو شہرہ آفاق حیثیت رکھتی ہے۔

غرض ان فلسفوں کی ترویج و اشاعت اس لیے ممکن ہو سکی کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں عیسائی مذہب علم و تمدن کا ساتھ دینے اور انھیں فطری طریقوں اور تقاضوں کے مطابق پروان چڑھانے میں قطعاً ناکام رہا، بلکہ اس کے منفی اور مخالفانہ رویہ کے باعث مذہب سے بغاوت اور کنارہ کشی وجود میں آئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اہل دانش نے مذہب کو ایک ڈھکوسلہ قرار دے کر اس کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا اور معاشرتی، تمدنی اور اجتماعی غرض زندگی کے تمام مسائل میں آزادانہ طور پر غور و خوض کرنے لگے اور ان تمام مسائل و مشکلات کا حل مادی نقطۂ نظر سے نکالا جانے لگا۔ یہ ہے ان فلسفوں اور ازموں کے نشو و نما اور عروج پانے کا صحیح پس منظر۔

باقی آئندہ۔

۱۔ ملاحظہ ہو "تاریخ فلسفہ جدید" از ڈاکٹر ہیرالڈ ہوفڈنگ، ۱/۲۳۴، مطبوعہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد۔ ۱۹۳۱ء۔

۲۔ Critique of Pure Reason.

© rasailojaraid.com